Tauseeq, Volume. 4, Issue. 2
ISSN (P) 2790-9271 (E) 2790-928X
DOI: 3https://doi.org/10.37605/tauseeq.v4i2.55
Received: 12-10-2023
Accepted: 13-11-2023
Published: 31-12-2023

عصمت چغتائی کی تحلیلِ نفسی(کاغذی ہے پیراہن کے تناظر میں)

Psycho Analysis of Ismat Chughtai (In the Light Of Kaghazi Hai Pairahan)

ڈاکٹرامجد خان امید *

ڈاکٹر محمد صاحب خان**

ڈاکٹر احمد ولی***

Abstract:

While Ismat Chughtai is a big name in Urdu novels and fiction, she has also been a controversial figure. The reason for which is his many creations in which he has made sex and psychology the subject. In most of her short stories and novels, she comes across as a rebellious and brutal realist. On the one hand, he has raised his voice for the freedom and rights of women, on the other hand, he has also openly described the sexual immorality of women. There are many reasons behind this, but the main reason among them is the mental and sexual discomfort of Ismat Chughtai, which is the subject of this paper, so in this paper, the psychological analysis of Ismat Chughtai will be presented.

Keywords: Ismat Chughtai, Novel, Fiction, Mental Discomfort, Sexual Discomfort, Sexual Immorility, Freedom, Rights, Women, Sex, Psychology, Psycho Analysis.

* اردو لکچرار، گورنمنٹ ڈگری کالج، نمبر ۲، مردان

** اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ اردو، یونیورسٹی آف چترال۔

*** اردو لکچرار، یونیورسٹی کالج فار بوائز، پشاور۔

تحلیلِ نفسی علمِ نفسیات کا وہ طریقۂ کار ہے جس میں انسانی ذہن یا نفسیات کا عمیق مطالعہ کرنے کے بعد شعور اور تحت الشعور کے راستے لاشعور کے نہاں خانوں تک رسائی حاصل کی جاتی ہے اور لاشعور میں دبی ہوئی خواہشات کا کھوج لگا کر مختلف طریقۂ کار کے تحت ان کا انخلا کیا جاتا ہے۔ جس کے ذریعے ایک ابنارمل شخص، جس کو لاشعور کی ناآسودہ خواہشات بے چین کیے ہوئی ہوتی ہیں سے نجات پا کر ایک نارمل انسان کی طرح زندگی گزارنے لگتا ہے۔

لاشعور اور تحلیلِ نفسی پر سب سے زیادہ کام کرنے کا سہرا سگمنڈ فرائڈ کے سر ہے۔ اگرچہ فرائڈ سے پہلے لاشعور اور تحلیلِ نفسی پر کام ہوا تھا مگر فرائڈ نے اپنے عمیق مطالعے اور مختلف تجربات کے ذریعے تحلیلِ نفسی کو علم نفسیات کا بنیادی جزو بنایا۔ یہی نہیں بلکہ ادب میں بھی تحلیلِ نفسی کو متعارف کرانے میں فرائڈ کے نظریات کو فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ [1]

لہٰذا بعد میں نفسیاتی تنقیدی دبستان کے ذریعے تخلیقات کو درست تناظر میں جانچنے کے ساتھ ساتھ یہ حقیقت بھی آشکارا ہو گئی کہ تخلیق کے پسِ پشت تخلیق کار کے لاشعوری محرکات کارفرما ہوتے ہیں۔ یعنی تخلیق کار اپنی ناآسودہ خواہشات اور ناکام آرزوؤں کو ارتفاع کے ساتھ جوڑ کر تخلیق کو جنم دیتا ہے۔ لہٰذا کسی بھی تخلیق کی بہتر تفہیم کے لیے تخلیق کار کی نفسیات کا تحلیلی مطالعہ ضروری ہے۔

ادب میں تحلیلِ نفسی کے اطلاق کے بعد یہ حقیقت سامنے آئی کہ ہر تخلیق کار میں کچھ نہ کچھ ابنارملٹی ضرور ہوتی ہے جو اس کی تخلیق کا موٴجب بنتی ہے۔ [2]

تحلیلِ نفسی اگرچہ شخصیت کے ان پہلوؤں کو جو ابنارمل تھے کی تفہیم اور ان سے جڑے ہوئے ایسے محرکات جو لاشعوری ہوتے تھے کی تشریح کے لیے وضع کی گئی تھی لیکن ڈاکٹر سلیم اختر کا ماننا ہے کہ:

> "تحلیلِ نفسی نے فنونِ لطیفہ کے مقابلہ میں فن کار کی نفسیات کے لحاظ سے اہم خدمات سر انجام دی ہیں۔۔۔ افراد کی تحلیلِ نفسی سے یہ واضح ہو چکا ہے کہ جمالیاتی صلاحیتیوں اور فن کارانہ تحریکات لاشعور کے نہاں خانوں سے جنم لیتی ہیں۔ یہی نہیں بلکہ خود وجدان کے مطالعہ سے بھی یہی آشکارا ہے۔" [3]

لہٰذا ادب میں تحلیلِ نفسی کے باقاعدہ استعمال سے یہ دیکھنے میں آیا کہ ایک عام ابنارمل انسان کے برعکس تخلیق کار اپنی ناآسودہ خواہشات کو ارتفاع کے ساتھ جوڑ کر ذہنی آسودگی اور تسکین حاصل کرتا ہے۔ [4]

جس طرح پہلے بتایا گیا کہ تخلیق کے پسِ پشت تخلیق کار کے لاشعوری محرکات کار فرما ہوتے ہیں لہٰذا کسی بھی تخلیق کار کی تخلیقات کا براہِ راست مطالعہ کرنے سے پہلے اس کے لاشعور تک رسائی ضروری ہے جس کے ذریعے اس کی تخلیقات کی تفہیم آسانی سے ہو سکتی ہے اور ہر تخلیق کے پسِ پشت اس کے لاشعوری محرکات بھی سامنے آسکتے ہیں۔اس حوالے سے ڈیوڈ یشنیر کہتے ہیں:

> " ادبی تخلیق کی ماہیت کی تشریح و توضیح میں نقاد بالعموم نفسیات کی طرف رجوع کرتے ہوئے یہ بحث چھیڑتا ہے کہ کس مخصوص ذہنی کیفیت نے خاص نوع کی تخلیق کو جنم دیا۔چنانچہ ادبی تحقیق میں نفسیات دو طرح سے کار آمد ثابت ہوتی ہے۔ایک تو تخلیقی عمل کے مطالعہ میں اور دوسرے خاص خاص مصنفین کا ایسا نفسیاتی مطالعہ کرنے میں کہ ان کے ذہنی رویّوں، مخصوص کیفیات اور ان کی تخلیقات کے اہم ترین اوصاف کے درمیان رابطہ اجاگر کیا جاسکے۔"[5]

عصمت چغتائی کی نفسیات کا تحلیلی مطالعہ کرتے ہوئے سب سے پہلے ہم عصمت کی شخصیت پر اثر انداز ہونے والے عوامل، ماحول اور کرداروں کا جائزہ لیتے ہیں اور پھر اس سے عصمت کی شخصیت میں پروان چھڑنے والے رویّوں کی نشاندہی کر کے ان کی تخلیقات میں ان رویّوں کو ڈھونڈنے کی کوشش کرتے ہیں۔

عصمت کی پیدائش ۱۵ اگست ۱۹۱۱ء کو اترپردیش کے مردم خیز علاقہ "بدایوں" میں ہوئی تھی، جہاں ان کے والد ملازمت کے سلسلے میں تعینات تھے۔ان کا آبائی وطن "جودھ پور" تھا اور وہیں عصمت کا بچپن بھی گزرا۔ان کے چھ بھائی اور چار بہنیں تھیں۔ان میں عصمت دسویں نمبر پر تھیں۔

عصمت کے بڑے بھائی عظیم بیگ چغتائی اپنے دور کے مقبول ادیب تھے۔عصمت نے کالج کے زمانہ میں ہی ایک کہانی "فسادی" لکھی جو ساقی میں شائع ہوئی۔۱۹۴۱ء میں علی گڑھ میں دورانِ تعلیم ان کی شاہد لطیف سے دوستی ہوئی جو بعد میں شادی میں تبدیل ہو گئی ۔عصمت نے تین سو سے زائد کہانیاں لکھیں جو پانچ افسانوی مجموعوں کی شکل میں شائع ہوئیں۔ان میں "کلیاں"، "چوٹیں"، "چھوئی موئی"، "ایک بات"، "دوہاتھ" شامل ہیں۔ان کے ناولوں کے نام "ٹیڑھی لکیر"، "ضدی"، "ایک قطرۂ خوں"، "دل کی دنیا"، "معصومہ "اور "بہروپ نگر" ہیں۔

اس کے علاوہ عصمت نے اپنے فلم ساز شوہر شاہد لطیف کی فلموں کے لیے بارہ کہانیاں لکھیں تھیں۔جن میں سے پانچ فلمیں انھوں نے خود بنائیں۔ان کی سرگذشت " کاغذی ہے پیراہن" کے نام شائع ہوئی۔عصمت نے شیام بینگل کی فلم "جنون" کے نہ صرف مکالمے لکھے تھے بلکہ اس میں ایک کردار بھی ادکیا تھا۔

عصمت ادبی دنیا میں اپنی تحریروں خصوصاً افسانہ "لحاف" کی وجہ سے ہمیشہ ایک متنازعہ شخصیت بنی رہی۔ زندگی کی طرح موت کے بعد بھی عصمت پر انگلیاں اٹھتی رہیں۔ انھوں نے مرنے سے قبل خود کو جلانے کی وصیت کی اور ۲۴ اکتوبر ۱۹۹۱ء کو مرنے کے بعد انھیں بمبئی کے "چندن باڑی" شمشان میں جلایا گیا۔ یہ بات مسلمان ادیبوں کو پسند نہیں آئی اور تقریباً سبھی حلقوں سے اس کی مخالفت ہوئی اور یوں اردو کی متنازعہ ترین ادیبہ کا سفر آخر بھی تنازعات کی زد سے نہ بچ سکا۔

عصمت نے جس زمانے میں آنکھ کھولی وہ ایک طرف برصغیر کی نشاۃ الثانیہ کا زمانہ تھا تو دوسری طرف نہ صرف برصغیر میں بلکہ پوری دنیا میں انقلابات کا آغاز ہو چکا تھا۔ برصغیر کی سوئی ہوئی قوم بیدار ہو کر اپنی منزل کی طرف مائل بہ سفر تھی۔ آزادی کی لہر زندگی کے ہر شعبے میں جاری و ساری تھی۔ یہاں تک کہ عورت بھی مرد کی برابری کا حق مانگنے اور اپنے اوپر ہونے والے جبر و تشدد سے چھٹکارا پانے کے لیے بغاوت پر اتر آئی تھی۔

یہ تو خارجی ماحول تھا جب کہ داخلی یعنی کشمکش سے بھرپور گھریلو ماحول، جس میں ماں باپ کی دھینگا مشتی، بھائیوں کی ڈانٹ ڈپٹ، خانہ جنگی، گھریلو آزاد خیالی، تعلیم پر پابندی اور خواہشات پر قدغنوں وغیرہ جیسے واقعات نے بھی عصمت کے لاشعور میں ضد اور بغاوت کے رویّے کو پروان چڑھایا۔[6] ذیل کا اقتباس اس کشمکش بھرے ماحول کو سمجھنے میں معاونت کرتا ہے:

> " ابا نے ہتھیار ڈال دیئے۔ ان کے تمام ملنے والوں کی یہی رائے تھی کہ لڑکیوں کو تعلیم دلوانا انہیں پیشہ کرانے سے بھی زیادہ ذلیل حرکت ہے۔"[7]

چنگیز خان یا تاتاریوں سے نسبی تعلق اور بچپن ہی سے لڑکوں کی صحبت نے عصمت کے لاشعور اور اجتماعی لاشعور میں مردانہ پن، ضد، بغاوت اور فتح مندی کے عناصر بھر دیے تھے۔

> " میں سرپھری، زبان دراز، منہ پھٹ، بد تمیز تھی۔۔۔ زبان ننگی تلوار کسی کے بس میں نہ تھی"[8]

ان حالات اور اثرات نے عصمت کے لاشعور میں بغاوت کے عنصر کو پروان چڑھایا اور جب اس نے سوجھ بوجھ سنبھالی تو ترقی پسند تحریک اپنے عروج پر تھی اور ادبی ماحول اور لکھنے کا شوق تو اسے اپنے بھائی سے ورثے میں ملا تھا۔ یوں عصمت کو اپنی بغاوت کے اظہار کے لیے ایک پلیٹ فارم میسر آیا۔ اسی پلیٹ فارم سے اس نے معاشرے کے جبر و تشدد، عورت کی بے بسی اور معاشرے کی جنسی پھوڑ کی نشتر زنی شروع کر دی۔

> " رشیدہ آپا ہی مجھے ایک ایسی ہستی نظر آئیں جنھوں نے مجھ میں خود اعتمادی پیدا کی۔ میں نے انھیں اپنا گرو مان لیا۔ علی گڑھ کی چھوٹی ذہر آلود فضا میں وہ بڑی بد نام تھیں۔ میری صاف گوئی کو انھوں نے بہت سراہا۔"[9]

" اور ویسے میں ترقی پسندوں کی خود بھی چہی بنی ہوئی تھی۔بڑے زور وشور سے انقلاب لارہی تھی "[10]

یہی لاشعوری محرکات عصمت کی ذات اور بیشتر افسانوں اور ناولوں میں منعکس دکھائی دیتے ہیں۔جن میں " دوہاتھ "، "ننھی کی نانی"،ناول "ٹیڑھی لکیر "اور "معصومہ " قابلِ ذکر ہیں۔

یہ تو عصمت کی ضدی طبیعت ،بغاوت اور معاشرے کے خلاف احتجاج کے عناصر تھے جو دمِ آخر تک اس کی زندگی اور تحریروں میں موجود رہے لیکن عصمت کی شخصیت پر سب سے زیادہ اثر انداز ہونے والے کردار اس کے والدین کے ہیں۔عصمت کی ماں طبیعتاً ضدی، جھگڑالو اور انتہائی غصیلی تھی۔جس نے ہمیشہ عصمت کو پیار کی بجائے ڈانٹ ڈپٹ سے نوازا۔اس کے بر عکس عصمت کے ساتھ والد کارویہ مشفقانہ اور ہمدردانہ تھا۔

" ایک بار میں گھوڑی کے پیچھے روتے ہوئے جارہی تھی ،بھائی گھوڑی پر شان سے بیٹھا تھا،اسی وقت میرے والد کچہری سے لوٹے،سائیس سے انھوں نے پوچھا۔

" یہ کیوں رورہی ہے؟"

اس نے بتایا۔

"گھوڑی پر بیٹھنا چاہتی ہے"

ابانے کہا"تو بٹھاتے کیوں نہیں؟"

"جی بیگم صاحبہ کی اجازت نہیں ہے۔"

ابانے کہا"بٹھاؤ"[11]

غرض عصمت کے اندر ماں کی بے توجہی، ایک تکلیف دہ خلا کے طور پر عمر بھر موجود رہی۔وہ ساری زندگی ماں کی محبت اور عورتوں کی صحبت سے محروم رہی۔اس کے بر عکس باپ کی محبت، لڑکوں اور مردوں کی صحبت نے ان کے اندر الیکٹرا کمپلکس یا الجھاؤ کارویہ پروان چڑھایا۔اگرچہ وہ مکمل طور پر الیکٹرا الجھاؤ کا شکار نہیں رہی البتہ عصمت کا مردانہ پن، مردوں کے کھیل کھیلنا، مردوں کی گھڑی پہننا، گھوڑ سواری کرنا اور اپنے سے بڑے عمر کے مردوں کے ساتھ تعلّقات استوار کرنا اس بات پر دال ہے کہ ان کے اندر الیکٹرا الجھاؤ کے عناصر کافی حد تک حلول کر گئے تھے۔ذیل کے اقتباسات میں ان رویوں کو دیکھا جاسکتا ہے:

"گھوڑی پر بیٹھ کے مجھے اپنی فتح مندی کا بے پناہ احساس ہوا۔باغی عصمت کی یہ پہلی فتح تھی۔اس کے بعد تو والد جب بھائیوں سے نشانہ لگواتے تو میرے ہاتھ میں بھی کارتوس تھمادیتے اور نشانہ لگانا سکھاتے۔"[12]

"میں شادی نہیں کرنا چاہتی تھی۔ ہاں پڑوس کا ایک لڑکا پسند آ گیا تھا۔ اس وقت میری عمر بارہ تیرہ برس کی تھی۔۔۔ وہ صاحب چھبیس یا ستائیس سال کے رہے ہوں گے۔"[13]

عصمت کی نفسیات کا تحلیلی مطالعہ کرتے ہوئے اس کے ہاں جو سب سے بڑی نا آسودگی سامنے آتی ہے وہ جنس کی ہے۔ جس کی وجوہات میں جنسی ماحول، گھریلو معاشقے، عشق یا محبت سے محرومی، چچا کی جنسی بے راہ روی وغیرہ شامل ہیں۔

"میں نے جب تک ایسی گندی کتاب نہیں پڑھی تھی کالجوں، یونیورسٹیوں میں یہ مواد نہیں ملتا، مگر زبانی اس سے گندی باتیں پلنگ کے نیچے چھپ کر بڑی بوڑھوں سے سنی تھیں۔ ہم جنس سے محبت کیا ہوتی ہے یہ بھید نہیں کھلا تھا۔"[14]

"میرے ارد گرد ایک ڈھوکا رچا ہوا نظر آتا تھا۔ بہ ظاہر شرمیلی اور باعزت بیٹیاں چھپ کر غسل خانوں اور اندھیرے کونوں میں چھین جھپٹ اور چوما چاٹی کرتی تھیں۔ اور بڑی شریف کہلاتی تھیں۔ مجھ جیسے بے نتھے بیل سے کون لڑکا دلچسپی لیتا۔"[15]

"عورت ہمیشہ ننھے بھائی کی کمزوری رہی تھی۔ بہت کم سنی میں وہ اس کے وجود سے واقف ہو گئے تھے۔ اور پھر شوکت آپا نوخیز کلی سولہ سترہ کا سن، بالکل لٹو ہو گئے۔ صبح اٹھتے ہی ناشتہ کمرے میں منگواتے۔ سیدھے کالج جاتے وہاں سے سیدھے کمرے میں چٹخنی چڑھ جاتی۔ رات کا کھانا بھی کمرے میں منگا لیتے، پھر چٹخنی چڑھ جاتی۔"[16]

یہی وہ جنسی محرکات ہیں جو عصمت کے بیشتر افسانوں اور ناولوں کا باعث بنے۔ اگرچہ جنس نگاری اور فحش نگاری کے کارن عصمت کو تنازعات اور مقدمات کے طوق بھی گلے میں ڈالنے پڑے لیکن بغاوت اور فتح مندی اس کے خمیر میں موجود تھی۔ اس لیے اس نے بغیر کسی کی پرواہ کرتے ہوئے اپنے ارد گرد ہونے والی جنسی بے راہ روی کو بڑی بے رحمی اور سفاکیت سے بیان کیا۔ اس حوالے سے عصمت کہتی ہیں کہ میرا دماغ کسی مصور کا برش نہیں بلکہ ایک سستا کیمرہ ہے، جو ہر واقعے کی سچی تصویر کھینچتا ہے اور میرا قلم اسے جوں کا توں بیان کرتا ہے۔[17]

"پیشہ"، "تل"، "کنواری" اور "لحاف" جیسے افسانوں کے پس منظر میں یہی جنسی محرکات کارفرما نظر آتے ہیں۔ جب کہ ناول "ٹیڑھی لکیر" تو اس گراف کا نقطۂ عروج ہے۔[18]

ڈاکٹر سنبل نگار کے مطابق:

" اصل بات یہ ہے کہ منٹو کی طرح عصمت بھی سماج کے عیبوں کو آشکار کرنا چاہتی ہیں تا کہ ان کا علاج کیا جا سکے۔ایک جگہ لکھتی ہیں "جب زخم میں مواد بھر جائے تو اس پر پٹیاں باندھنے سے بہتر ہے کہ نشتر لو اور جراحی شروع کر دو۔"[19]

غرض عصمت نے اگر جنس نگاری کو اپنا پسندیدہ موضوع بنایا ہے تو اس کے بے شمار محرکات بھی اس کی زندگی،ماحول اور لاشعور میں موجود تھے۔ جنہیں عصمت نے ترفع کے ساتھ جوڑ کر تخلیق کا روپ دیا۔

عصمت کے لاشعور میں خوف اور احساس کمتری کے عناصر بھی وافر مقدار میں موجود تھے۔

" رات کو کبھی میری آنکھ کھل جاتی تو دو بڑی بڑی بھیانک آنکھیں مجھے بہت قریب سے گھورتی ملتیں ۔انجانے خوف سے میرے رونگٹے کھڑے ہو جاتے اور میں چیخ کر نہ جانے کیا بک دیتی۔"[20]

اس کے علاوہ عصمت کے ہاں بھائی (عظیم بیگ چغتائی) کی موت کے بعد قبر کا خوف انتہائی ابنارملٹی کی صورت اختیار کر جاتا ہے۔جو "دوزخی" جیسے مشہور خاکے کا تخلیقی محرک بنتا ہے۔اور یہی خوف عصمت کو مرنے کے بعد جلانے کی وصیت لکھنے پر مجبور کرتا ہے۔

" رات کے دو بجے تھے جب میں نے یہ مضمون (دوزخی) ختم کیا۔کیسی ہیبت ناک رات تھی۔۔۔جو کچھ میں نے لکھا تھا وہ میرے چاروں طرف سینما کی ریل کی طرح چل رہا تھا۔میں نے لیمپ بجھایا تو دم گھٹنے لگا۔جلدی سے پھر جلا دیا۔اندھیرے سے ڈر لگ رہا تھا۔مجھے وہ قبر یاد آ رہی تھی جسے دیکھ کر آنے کے بعد میں مہینوں اکیلے کمرے میں نہیں سو پاتی تھی۔اکیلے پلنگ پر مجھے وحشت ہوتی تھی۔میں اپنے ساتھ اپنی چھوٹی سی خالہ زاد بہن کو سلانے لگتی تھی۔"[21]

ایک طرف عصمت پر ساری زندگی قبر کا خوف طاری رہا تو دوسری طرف "ستّی" کی رسم اور آواگون پر یقین رکھنے نے اس کے لاشعور پر گہرے اثرات ثبت کیے تھے اور شاید انہی دو عناصر نے مل کر عصمت کو موت کے بعد جلانے کی وصیت لکھنے پر مجبور کیا تھا۔

آخر میں عصمت کے ہاں ابنارملٹی کی سب سے اہم،واضح اور بڑی مثال راتوں کو ڈراؤنے خواب دیکھنا اور راتوں کو چیخنا چلانا ہے۔جس کے پسِ پشت شاید ان کا گھریلو ماحول،بے توجہی،احساسِ کمتری،محبت کی محرومی،ماں کا ضد اور غصہ،ڈر،خوف،تنہائی کا احساس اور احساسِ تحفظ کار فرما ہوں۔

یہی ڈراؤنے خواب عصمت کو ذہنی تازگی اور اس کی سوچ کو وسعت بخشتے ہیں جو ان کی تخلیقات کے کلیدی محرک بن کر سامنے آتے ہیں۔

"جب مجھے یہ ڈراؤنا خواب نظر آتا ہے ایسا محسوس ہوتا ہے میں مر کر زندہ ہوئی ہوں۔ کون جانے چند لمحوں کی موت ہو بھی جاتی ہو۔ مگر عالم نزع بیت جانے کے بعد میں خود کو پہلے سے زیادہ چاق چوبند پاتی ہوں۔ میرا دماغ دور دور کی وسعتوں کو ناپنے لگتا ہے۔ انگ انگ میں زندگی کی طلسماتی لہر دوڑ جاتی ہے۔۔۔ بے وجہ ہنسی آنے لگتی ہے۔ دل میں لڈو پھوٹنے لگتے ہیں۔ نتھنوں میں گیلی مٹی کی سوندھی سوندھی مہک بھر جاتی ہے۔"[22]

عصمت کی اس مجمل سی تحلیلِ نفسی سے یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ عصمت میں خود بھی ابنارملٹی موجود تھی جب کہ ماحول اور واقعات نے بھی اس کے اندر ابنارمل رویوں کو پروان چھڑایا۔ لیکن تعلیم یافتہ ہونے اور عظیم بیگ چغتائی جیسے ادیب کے زیر اثر رہنے سے عصمت نے اپنی ابنارملٹی کو ترفع کے ساتھ جوڑ کر اردو ادب کو قیمتی نثری سرمائے سے مالا مال کیا۔

عصمت پر جو کچھ گزرا، جو انھوں نے محسوس کیا اور جو اس نے ارد گرد کے ماحول میں اپنی آنکھوں سے دیکھا ان کو من و عن بیان کر دیا۔ اس بحث کی روشنی میں ان کی تخلیقات کا تجزیہ کرنا ایک الگ کتاب کا متقاضی ہے تاہم عصمت کے ادبی مسلک کے بارے میں خود ان کی رائے دیکھیے:

"سچا ادیب وہی ہے جو رہنمائی سے کترا جائے۔ وہی لکھے جو اس کے دل کی گہرائی سے ابھرتا ہے۔ جو وہ دیکھتا ہے محسوس کرتا ہے جو اس پر بیتتی ہے۔"[23]

حوالہ جات

1) ڈاکٹر سلیم اختر، "تخلیق اور لاشعوری محرکات" (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، 1983ء) ص 99

2) ڈاکٹر سلیم اختر، "مغرب میں نفسیاتی تنقید" لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، 1998ء) ص 12

3) ڈاکٹر سلیم اختر، "تخلیق اور لاشعوری محرکات"، ص 99

4) ایضاً، ص 15

5) ایضاً، ص 14

6) عصمت چغتائی، "کاغذی ہے پیراہن" (لاہور: روہتاس بکس، 1992ء) ص 10

7) ایضاً، ص42

8) ایضاً، ص129

9) ایضاً، ص89

10) ایضاً، ص91

11) ایضاً، ص46

12) طارق محمود، "عصمت کے بہترین افسانے" (لاہور بک ٹاک، 2009ء) ص47

13) ایضاً، ص49

14) عصمت چغتائی، "کاغذی ہے پیراہن"، ص157

15) ایضاً، ص88

16) ایضاً، ص95

17) ایضاً، ص79

18) پرفیسر ڈاکٹر نعیم تقوی، "تنقید و تناظر (کراچی: آر۔ آئی پرنٹرز، 1994ء) ص336

19) ڈاکٹر سنبل نگار، "اردو نثر کا تنقیدی مطالعہ (لاہور: انتخاب جدید پریس، 2003ء) ص185

20) عصمت چغتائی، "کاغذی ہے پیراہن"، ص128

21) ایضاً، ص170

22) ایضاً، ص47

23) ایضاً، ص293

References

1. Dr. Saleem Akhtar, "Takhleeq Aur La Showoree Muharrikat", Sang-e-Meel Publications Lahore, 1983, p 99
2. Dr. Salim Akhtar, "Maghrib Mai Nafsiyaati Tanqeed", Sang-e-Meel Publications Lahore 1998, p 12
3. Dr. Saleem Akhtar, “Takhleeq Aur La Showoree Muharrikat", p 99.
4. Ibid, p 15
5. Ibid, p 14
6. Ismat Chughtai, "Kaghazhi Hai Pirahan", Rohtas Books Lahore, 1992, Pg10.

7. Ibid, p 42
8. Ibid, p 129
9. Ibid, p 89
10. Ibid, p 91
11. Ibid, p 46
12. Tariq Mahmood, "Ismat Ky Behtareen Afsany", Book Talk Lahore, 2009, p 47
13. Ibid, p 49
14. Ismat Chughtai, "Kaghazhi Hai Pirahan", p 157
15. Ibid, p 88
16. Ibid, p 95
17. Ibid, p 79
18. Professor Dr. Naeem Taqvi, "Tanqeed-O-Tanazur", RI Printers Karachi, 1994, p 336
19. Dr. Sambal Nigar, "Urdu Nasar Ka Tanqeedi Mutalia", Intikhab Jadeed Press Lahore, 2003,
p 185
20. Ismat Chughtai "Kaghazi Hai Pirahan" p 128
21. Ibid, p 170
22. Ibid, p 4.
23. Ibid, p 293